امام داؤد صاحب السنن

سوانح حیات

عبد الہادی ناصر، ایم اے

آپ کا نام سلیمان اور کنیت ابوداؤد تھی۔ اور اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ آپ عربوں کے مشہور قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ گو آپ کے نسب نامے کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جمہور علماء کا آپ کے جس سلسلۂ نسب پر اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران ازدی سجستانی[1]

ابن کثیر نے آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے۔

سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن یحییٰ بن عمران[2]

یعنی پانچویں پشت میں عمرو کے بجائے یحییٰ کا نام لکھا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابوداؤد کا جو سلسلہ نسب بیان کیا ہے وہ

---

[1] وفیات الاعیان وانباء الزمان جلد اول ص۲۸۱ وتاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۵

کتاب الانساب للسمعانی ج ا ص۲۹۲

بہت مختصر ہے اور وہ یہ ہے۔

سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عمرو بن عامر[1]

عامر کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ویقال عمران۔ یعنی ان کا کہنا ہے کہ عامر اور عمران ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ حافظ ابن حجر نے امام ابوداؤد کے شاگردوں ابن واسعہ اور آجری سے آپ کا مروی نسب نامہ بھی تحریر کر دیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں حافظ ابن حجر نے خود کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ دونوں آرا یکجا جمع کر دی ہیں دوسرا نسب نامہ یہ ہے۔

سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد۔[2]

اسی طرح علامہ نووی نے ابوحاتم سے امام ابوداؤد کا جو سلسلۂ نسب بیان کیا ہے وہ ابن حجر کے بیان کردہ سلسلہ نسب سے ملتا ہے۔ یعنی سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عامر اور محمد بن عبدالعزیز ہاشمی کے حوالے سے یوں بھی لکھا ہے۔ سلیمان بن بشیر بن شداد۔ مگر علامہ نووی نے بھی جمہور علماء کے نسب نامہ کو ہی نقل کر کے علامہ خطیب بغدادی کے اس حوالے سے اس کو ترجیح دی ہے کہ حافظ ابوطاہر سلفی نے کہا کہ یہ قول زیادہ بہتر، مناسب اور قابل اطمینان ہے۔[3]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحیح اور اصل سلسلہ نسب وہی ہے جس پر جمہور نے اتفاق کیا ہے۔

امام ابوداؤد کے جدّ اعلیٰ عمران کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عمران کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شامل ہوئے تھے اور اسی میں مارے گئے۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج۔ ۴۔ ص ۱۶۹

[2] تہذیب التہذیب ج۔ ۴ ص ۱۶۹

[3] تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۲۴

[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۹

آپ کا وطن

آپ کے سلسلۂ نسب کی طرح آپ کے وطن کے بارے میں بھی مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوں تو سجستانی کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے وطن مقام سجستان ہے لیکن سجستانی کی تعین میں بعض مورخین کو غلطی لگی ہے۔ تاہم اس بات کے فیصلے میں محققین کو کوئی شکل پیش نہیں آئی کہ صحیح مقام کون سا ہے۔

مورخین کے بیان کے مطابق سجستان خراسان کا وہ مشہور و معروف شہر ہے جسے زمانہ قدیم سے یہ فخر حاصل رہا ہے کہ اس سرزمین میں دنیا کے نامور علماء و فضلاء مشہور محدثین اور ارباب فضل و کمال نے جنم لیا۔ انہیں کی بدولت اس مقام کو بھی شہرت دوام حاصل ہوئی۔

مشہور عالم انساب سمعانی اس شہر سجستان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ یہاں بے شمار علماء اور محدثین پیدا ہوئے[1] صاحب معجم البلدان یاقوت حموی نے سجستان کی فضیلت یوں بیان کی ہے۔ اس مقام کی جانب ائمہ راویان حدیث اور داویلہ کی وافر مقدار منسوب ہے۔ اور محمد بن طاہر مقدسی اپنی تالیف کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ سجستان خراسان علماء اور محدثین کا مرکز تھا اور اہل سجستان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

ان متذکرہ بالا بیانات سے جہاں سجستان کی عالمی شہرت اور تاریخی حیثیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام ابوداؤد اسی سرزمین میں پیدا ہوئے یہاں انہوں نے نشوونما پائی اور ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی۔

بعض لوگوں نے سجستان کو بصرہ کے نواح میں ایک چھوٹا سا گاؤں بتلایا ہے۔ یہ گاؤں اتنا گمنام تھا کہ خود اہل بصرہ کو اس کا علم نہ تھا۔ ان لوگوں کو یہ غلطی اس لئے لگی کہ امام ابوداؤد نے مستقل سکونت بصرہ میں اختیار کرلی تھی۔ اس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ

---

[1] کتاب الانساب ج ۱ ص ۲۹۲

امام صاحب کی جائے پیدائش بصرہ کی نواحی بستی سجستانہ ہی ہوگی۔ حالانکہ اس خیال کی تائید میں کوئی ٹھوس تاریخی شہادت نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آپ کا وطن مالوف خراسان کا صوبہ سجستان ہے نہ کہ بصرہ کی گمنام نواحی بستی سجستانہ۔ چنانچہ محمد طاہر مقدسی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

میں نے محمد بن نصر قل ہو اللہ خان کو یہ کہتے سنا کہ امام ابوداؤد سجستانی کا وطن بصرہ کا ایک گاؤں ہے۔ جو سجستان کہلاتا تھا، خراسان والا سجستان نہیں ہے۔ اسی طرح بعض ہرویین نے ۵۴۳ھ کے قریب بیان کیا کہ میں نے محمد بن یوسف سے سنا ہے کہ ابوحاتم سجستانی کا تعلق بصرہ کے ایک علاقہ سجستانہ سے تھا نہ کہ سجستان خراسان سے اور ابونصر مذکور بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بصرہ والوں سے اس کی تحقیق کی تو وہاں کے لوگ اس نام کے کسی گاؤں سے واقف نہ تھے۔ البتہ بعض لوگوں نے بتایا کہ اہواز کے قریب اس کے مشابہ نام کا ایک گاؤں تھا۔ لیکن وہ نام میری کتاب سے مٹ گیا۔ مگر ان باتوں کی کوئی اصلیت معلوم نہیں ہوتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوداؤد نیشاپور میں اسحاق بن راہویہ کے ساتھ مکتب میں رہتے تھے۔ اور انہوں نے پہلی بار محمد بن اسلم طوسی کو خط لکھا۔ اس وقت ان کی عمر دس سال سے بھی کم تھی اور علماء و حفاظ میں سے کسی نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ ان کا وطن مشہور سجستان کے علاوہ کہیں اور ہے۔

علامہ سمعانی نے اپنی تصنیف میں یہ بیان کیا ہے :- سجستانی سجستان کی طرف نسبت ہے جو کابل میں ایک مشہور شہر کا نام ہے اور وہاں بے شمار علماء اور محدثین پیدا ہوئے۔[۱]

اس بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

ابن خلکان سے صحت انساب میں مہارت اور تاریخ دانی میں کمال کے باوجود اس نسبت میں غلطی ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ نسبت بصرہ کے ایک گاؤں سجستان یا سجستانہ

---

[۱] کتاب الانساب، للسمعانی ج ۱ ص ۲۹۲

کی طرف ہے (ابن خلکان کا بیان ختم ہوا) شیخ تاج الدین السبکی اس عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت بلاد ہندوستان سے ملے ہوئے ایک مشہور ملک کی طرف ہے۔ (شیخ السبکی کا بیان ختم ہوا) یعنی یہ نسبت سیستان کی طرف ہے جو ایک مشہور ملک سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار سے متصل ہے اور چشت بھی جو بزرگان چشت کا مسکن ہے۔ اسی ملک میں واقع ہے اور قدیم زمانے میں اس ملک کا پایۂ تخت تھا[1]

ابن خلکان کی جس عبارت پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:۔

سجستانی کی نسبت مشہور شہر سجستان کی طرف ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بصرہ کے ایک گاؤں سجستان یا سجستانہ کی طرف منسوب ہے[2]

اس عبارت کو غور سے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل ابن خلکان نے بھی مشہور و معروف سجستان ہی کو جو علماء و فضلاء کا مولد و مسکن تھا۔ امام ابوداؤد کا وطن قرار دیا ہے۔ دوسرا قول ابن خلکان کا اپنا نہیں، بلکہ انہوں نے بعض لوگوں کے خیال کو صرف نقل کر دیا ہے۔ "قیل" کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رائے ابن خلکان کی نہیں، بلکہ انہوں نے اسے بلا تبصرہ بیان کر دیا ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام ابوداؤد کے وطن کے تعین میں ابن خلکان کو غلطی لگی ہے علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسی طرح اس قول کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ابوداؤد کا وطن سجستان ہے، جو مکران اور سندھ کے اطراف کے کنارے ہے اور ہرات کے مقابل واقع ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بصرہ کے ایک گاؤں سجستان سے تھا۔

علامہ ذہبی کے اس بیان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کا اصل وطن وہ

---

[1] بستان المحدثین ص۱۰۱

[2] وفیات الاعیان ج ۱ ص۳۸۳

سجستان ہے جو خراسان میں واقع ہے اور جمہور مورخین کا اس پر اتفاق ہے۔ باقی بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ اس سجستان کے رہنے والے تھے، جو بصرہ کا ایک گاؤں ہے، صحیح نہیں۔ یہ ایک ضعیف قول ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شواہد نہیں۔

ایک اور دلیل جس سے قطعی طور پر اس بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ امام ابوداؤد کا وطن مالوف وہی سجستان تھا۔ جو اصحاب علم و کمال کا منشار و مولد تھا۔ یہ ہے کہ امام ابوداؤد کی دوسری نسبت السجزی بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ امام نودی لکھتے ہیں ابوداؤد کو سجستانی اور سجزی دونوں کہا جاتا ہے اور سجز اصل میں سجستان ہی ہے۔[1]

اس سجستان کے متعلق یاقوت رومی لکھتے ہیں۔ سجز اطراف خراسان کے مشہور شہر سجستان کا نام ہے۔ اور اس کی طرف سجزی سے نسبت کی جاتی ہے ...... اور اکثر اہل سجستان کو اس طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔[2]

اس ضمن میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔ اہل عرب کبھی کبھی اس ملک کی طرف سجزی سے بھی نسبت کرتے ہیں۔[3]

اس ٹھوس تاریخی شواہد کی بنا پر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ سجستان خراسان ہی امام ابوداؤد کا وطن اور جائے پیدائش تھی۔

آپ کے سن ولادت کے بارے میں تمام مورخین متفق ہیں۔ خود امام صاحب سے بھی یہی سن ولادت مروی ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے بھی اپنی کتاب میں یہ روایت نقل کی ہے۔ ابوعبید محمد بن علی بن عثمان اجری نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے ابوداؤد سے سنا کہ وہ سن ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔

اسی سن میں علم حدیث کے ایک اور قابل فخر اور نامور محدث امام مسلم بن حجاج

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۲۵

[2] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷

[3] بستان المحدثین ص ۱۰۶

نیشاپوری پیدا ہوئے۔ اور امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ان ہر دو سے چھ سال قبل یعنی ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

بے شک امام ابوداؤد ایک ایسے شہر میں پیدا ہوئے تھے، جو اس زمانے میں علمی مرکز تھا اور ہر فن کے صاحب کمال وہاں موجود تھے۔ علمائے محدثین کی بھی کثیر تعداد وہاں تھی جن سے امام ابوداؤد نے استفادہ بھی کیا، لیکن اس سے آپ کی علمی تشنگی پوری طرح نہیں بجھی۔ مزید علم کا شوق آپ کو کشاں کشاں سجستان سے بصرہ لے گیا۔ بصرہ سے آپ بارہا بغداد تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء و فضلاء سے مستفید ہوئے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

ابوداؤد نے بصرہ میں سکونت اختیار کی اور کئی بار بغداد تشریف لائے۔ وہاں آپ نے اپنی سنن کی روایت کی اور اہل بغداد نے اسے ان سے نقل کیا۔

(تاریخ بغداد ج ۹ ص۵۶)

ابن خلکان لکھتے ہیں :- آپ کئی بار بغداد آئے اور پھر مستقل طور پر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی (وفیات الاعیان ص۲۱۴)

بصرہ میں آپ نے مستقل رہائش امیر احمد موفق کی درخواست پر اختیار کی تھی تاکہ آپ کے چشمہ علم سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیض یاب ہو سکیں۔ خود امیر کے بیٹے بھی آپ کے حلقہ درس میں بیٹھے۔ بغداد اور بصرہ کے علاوہ آپ کوفہ بھی تشریف لے گئے وہاں بھی آپ نے شیوخ سے حدیث سنی، لیکن ان سے آگے روایت نہیں کی۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں۔

میں اکیس برس کی عمر میں کوفہ گیا لیکن مخول بن ابراہیم النہدی سے میں نے احادیث نہ لکھیں اور عمر بن حفص بن غیاث کے ساتھ ان کے گھر تک گیا، لیکن میں نے ان سے احادیث روایت نہیں کیں (تاریخ بغداد ج ۹ ص۵۶)

ان سفروں کے علاوہ آپ نے اور بھی بہت سے ملکوں کا دورہ کیا۔ مثلاً آپ حجاز عراق، خراسان، مصر شام۔ جزیرہ نیشاپور، مرو اور اصفہان گئے۔ وہاں کے مشہور محدثین

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے زیر تربیت رہ کر مختلف علوم میں کمال حاصل کیا۔
حافظ ابن کثیر بیان کرتے ہیں :- امام ابوداؤد ان ائمہ حدیث میں سے ہیں جنھوں نے طلب حدیث کے لئے ایک دنیا کا سفر کیا۔ انھوں نے احادیث کو جمع کیا۔ اور ان کی تخریج کی۔ اور شام، مصر، جزیرہ، عراق، خراسان وغیرہ شہروں اور ملکوں کے بہت سے شیوخ سے حدیث سنی (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص۵۵-۵۴)

امام نووی نے محمد بن صالح ہاشمی سے ایک روایت بیان کی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ طرطوس میں بیس سال مقیم رہے اور تحقیق کرتے رہے (کتاب الاسماء واللغات ج ۲ ص)

ان اسفار کے علاوہ امام صاحب نے تحقیق و تدقیق کے لئے مختلف اصحاب سے خط و کتابت بھی کی۔ چنانچہ اپنی کتاب السنن کے متعلق اہل مکہ کو ان کے استفسار پر ایک طویل خط لکھا (التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد)

الغرض تحصیل علم کے لئے امام ابوداؤد نے مقدور بھر کوشش کی اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ یہاں تک کہ علم حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ حاصل کرلی

اوصاف و خصائل

امام ابوداؤد کی ذات میں وہ تمام اوصاف حسنہ اور کمالات ارفع بدرجہ اتم موجود تھے، جو ایک بزرگ عالم دین اور بلند پایۂ محدث میں ہونے چاہئیں۔ آپ بڑے عبادت گزار اور زہد و تقویٰ میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ اپنے وقت کے امام اور مرجع خلائق تھے، آپ بڑے سادہ طبیعت تھے بہت منکسرالمزاج تھے۔ بڑائی اور خود پسندی، عجب اور خود ستائی سے آپ کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا
آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنی قمیص کی ایک آستین کھلی رکھتے تھے اور ایک تنگ۔ جب لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ ایک آستین تو میں اس لئے کشادہ رکھتا ہوں کہ

اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ سکوں اور دوسری کو کشادہ رکھنا اسراف سمجھتا ہوں۔

آپ صحیح معنوں میں عالم تھے۔ حصول علم کی غرض سے آپ نے ان تھک محنت کی۔ مختلف کٹھن مراحل طے کئے اور جب مقصود و مطلوب حاصل ہوگیا تو اس خزانۂ علم کو لوگوں میں تقسیم کرنے میں بالکل بخل سے کام نہیں لیا۔ آپ کا فیض علم سب کے لئے یکساں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا اور مقامی شاگردوں کے علاوہ دیگر بلاد و امصار سے بھی کثیر تعداد میں طالب علم کسب علم کے لئے آپ کے ہاں آتے تھے۔

آپ کے خادم ابو بکر بن جابر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں امام ابوداؤد کے ساتھ بغداد میں مقیم تھا۔ ایک دن جب ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں داخل ہوئے تو تھوڑی دیر کے بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ یہ امیر ابواحمد موفق ہیں جو امام صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے جا کر امام صاحب سے کہا کہ امیر بغداد آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اجازت ہو تو اندر بلا لیا جائے۔ آپ نے اجازت دے دی وہ اندر آئے تو امام صاحب نے پوچھا کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیسے گوارا کی۔ امیر نے کہا۔ مجھے آپ سے تین چیزوں کی درخواست کرنی ہے۔

ایک تو یہ کہ آپ بصرہ میں منتقل ہو جائیں اور وہاں مستقل قیام فرمائیں تاکہ مختلف ملکوں کے طالبان حدیث آپ سے استفادہ کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ آپ میرے بیٹوں سے اپنی سنن روایت کریں۔ امام صاحب نے کہا کہ یہ دونوں باتیں تو مناسب ہیں۔ تیسری بیان فرمایئے۔ امیر بولے کہ آپ اپنے حلقۂ درس میں میرے بیٹوں کے لئے علیحدہ مخصوص نشست کا انتظام فرمایئے کیونکہ امراء اور سلاطین کے لڑکے عوام کے لڑکوں کے ساتھ مجالس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس پر امام صاحب نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ علم

کے معاملے میں شریف و وضیع اور اعلیٰ و ادنیٰ سب برابر ہیں۔ ان میں کوئی امتیاز نہیں ابن جابر کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر درس سنتے تھے۔ البتہ درمیان میں ایک پردہ لٹکا دیا گیا تھا۔[1]

آپ کے زہد و تقویٰ اور پاکیزگی و پرہیزگاری کی وجہ سے لوگ آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ لوگوں کو آپ سے دلی محبت تھی۔ ایک دفعہ سہیل بن عبداللہ تستری آپ کے پاس آئے۔ امام صاحب کو اطلاع دی گئی کہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے پاس بلا لیا کہنے لگے۔ مجھے آپ سے ایک کام ہے اگر آپ اس کے پورا کرنے کا اقرار کریں تب میں بیان کروں گا۔ امام صاحب نے حتی المقدور اسے پورا کرنے کا عہد کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں آپ کی زبان مبارک کا جس سے آپ احادیث رسولؐ بیان فرماتے ہیں، بوسہ لینا چاہتا ہوں چنانچہ امام صاحب نے اپنی زبان مبارک باہر نکالی اور سہل نے اس کا بوسہ لیا۔

علم حدیث سے تو آپ کو عشق تھا ہی، علم فقہ سے بھی آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔ اور احادیث سے فقہی مسائل کے استنباط میں تو آپ کو کمال حاصل تھا۔ علماء ایک طرف آپ کے کمال علم کی تعریف میں رطب اللسان تھے، تو ساتھ ہی اس بات کے بھی معترف تھے کہ آپ زہد و اتقا اور ریاضت و عبادت میں بھی یکتا تھے۔

ابو حاتم آپ کی خصوصیت کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں :۔ امام ابوداودؒ فقہ و علم، حفظ و ضبط، عبادت، پرہیزگاری اور تقویٰ ہر لحاظ سے دنیا کے ائمہ میں سے ایک تھے۔

محمد بن یٰسین ہروی کہتے ہیں :۔ آپ حدیث کے بے مثال عالم و حافظ ہونے کے ساتھ عبادت و ریاضت، عفت و پاک دامنی، خیر و صلاح اور ورع و تقویٰ میں بھی منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

آپ کی ان خصوصیات کا ذکر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

---

[1] دیباچہ عانۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد

در حفظ حدیث و اتقان روایت و عبادت و تقویٰ و صلاح و احتیاط درجہ عالی داشت۔

علامہ خطیب بغدادی نے آپ کی اس صفت کو بڑے اچھوتے انداز میں یوں بیان کیا ہے عبداللہ بن مسعود ہدایت و اتقا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور علقمہ ان سے، علقمہ سے ابراہیم، ابراہیم سے منصور، منصور سے سفیان، سفیان سے وکیع وکیع سے امام احمد اور امام احمد سے ابوداودؒ مشابہ تھے[1]

امام ابوداودؒ کو طلب علم کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ اس شوق کے ساتھ ساتھ قدرت نے آپ کو غیر معمولی ذہانت اور قوی حافظے سے بھی نوازا تھا۔ آپ کا ذہن ایسا تیز اور یادداشت اتنی عمدہ تھی کہ ایک دفعہ کوئی بات سن لیتے تو وہ ذہن میں نقش ہوجاتی۔ آپ کو پانچ لاکھ احادیث یاد تھیں، جن میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کرکے آپ نے اپنی سنن مرتب کی۔

امام ابوداود کے غیر معمولی حافظے اور ذہانت کے اہل علم بھی معترف ہیں۔ اور اس بات کو متفقہ طور پہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ غیر معمولی قوی حافظے کے مالک تھے۔

امام نووی لکھتے ہیں :- علماء کا امام ابوداود کی تعریف و توصیف پر اتفاق ہے۔ اور وہ سب ان کے کمال حفظ، علم وافر، ضبط و اتقان، ورع و دیانت اور حدیث میں فہم رسا کے معترف ہیں[2]

محمد یٰسین ہروی بیان کرتے ہیں: امام ابوداودؒ علمائے اسلام میں حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے حفاظ میں سے تھے[3] اور ابوحاتم کہتے ہیں :-

ابوداودؒ فقہ اور علم اور حفظ کے اعتبار سے دنیا کے اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے[4]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۹
[2] تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۲۴
[3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۷۲
[4] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۷۲

بن مخلد بیان کرتے ہیں کہ امام ابوداؤد ہزاروں احادیث کا مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب آپ نے اپنے سنن کو مدون کیا تو تمام اہل زمانہ آپ کے کمال حفظ و تقدم کے معترف تھے۔ الغرض آپ کی شہرت و دوام اور غیر معمولی ترقی کا ایک باعث آپ کا خداداد قوی حافظہ تھا۔

فقہی مسلک

امام ابوداؤد کے فقہی مسلک کے بارے میں بھی بہت سی رائیں ہیں۔ کسی نے آپ کو شافعی ٹھہرایا، تو کسی نے حنبلی قرار دیا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان اقوال کا یوں ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

لوگوں نے امام ابوداؤد کے مسلک کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ بعض انہیں شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی۔ واللہ اعلم۔[1]

ابواسحاق شیرازی نے اپنی تصنیف طبقات الفقہاء میں امام ابوداؤد کو مقلدین میں شمار کیا ہے۔ اور اکثر لوگوں نے یہی قول نقل کر دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کو کسی خاص فقہی مذہب کا مقلد قرار دینا صحیح نہیں۔ آپ ایک زبردست محدث تھے۔ خداداد فقہی بصیرت آپ کو حاصل تھی اور مسائل دینیہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ اس لئے احکام و مسائل دینیہ میں اپنی آزادانہ مستقل رائے رکھتے تھے۔ جو کبھی حنبلی طرز فکر سے اور کبھی شافعی فقہی مذہب سے ہم آہنگ ہوتی۔ اسی لئے لوگوں کو آپ کے فقہی مسلک کے بارے میں فیصلہ کرنے میں اختلاف ہوا۔ بعض نے آپ کو حنبلی قرار دیا۔ اور بعض نے شافعی۔ دراصل امام ابوداؤد ایک نئے طرز فکر کے بانی تھے، جس میں تقریباً ہر مکتب فکر کا امتزاج موجود تھا۔ آپ کی سنن اسی طرز فکر کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ آپ اپنے زمانے کے امام تھے اور لوگ آپ کے مسلک کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن مخلد بیان کرتے ہیں کہ جب امام ابوداؤد نے اپنی سنن کو مدون کیا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اہل حدیث میں اسے مصحف کا سا مقام

---

[1] بستان المحدثین ص ۱۰۸

حاصل ہوگیا اور لوگ اسی کی پیروی کرنے لگے۔

وفات

خداوند باری تعالےٰ کے جاری کردہ قوانین قدرت تمام اہل عالم پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسان پیدا ہوتے ہیں۔ مقررہ مدت حیات کے بعد آخرت کو سدھار جاتے ہیں چنانچہ علم و فضل کی یہ شمع جس نے دنیائے علم میں ہزاروں چراغ روشن کئے بظاہر تو سن ۲۷۵ھ میں ہمیشہ کے لئے گل ہوگئی، لیکن اپنے نور سے دنیائے علم کو ہمیشہ کے لئے منور کر گئی۔

ابن خلکان نے امام ابوداؤد کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ آپ سولہ شوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ میں وفات پاگئے۔[1]

عباس بن عبدالواحد ہاشمی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بصرہ میں آپ کو امام سفیان ثوری کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

---

[1] وفیات الاعیان